مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں

از
سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں

(فرمودہ ۳۰ رمئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

مثنوی رومی والوں نے ایک نہایت ہی لطیف بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است

زیر آں گنج کرم بنہادہ است

یعنی خدا تعالیٰ کی ایک یہ بھی سنت ہے کہ جب کسی قسم کی کوئی بلاء مسلمانوں پر آتی ہے اور مسلمانوں سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جب بھی کوئی بلاء اِس کی طرف سے کسی قوم پر آتی ہے تو

زیر آں گنج کرم بنہادہ است

اس کے نیچے برکتوں کا ایک مخفی خزانہ ہوتا ہے۔ یعنی اس بلاء کے آچکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات ظاہر ہوتی ہیں جو اس قوم کے لئے تقویت کا موجب ہوتی ہیں۔ یہ ایک نہایت سچی بات ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کبھی مؤمنوں کو مشکلات اور مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی باتیں ضرور ظاہر ہوتی ہیں جو ان کے ایمان میں اِزدیاد کا موجب ہوتی ہیں اور صداقت اور شوکت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مصیبت اور مشکل جو آپ کو پہنچی اپنے بعد بے شمار معجزات چھوڑ کر گئی اور اس کے ذریعہ سے مؤمنوں کے ایمان تازہ ہوئے اور وہ قیامت تک کی نسلوں کیلئے برکت اور رحمت کا موجب ہوں گے۔ ہمیں جتنے واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مصائب، مشکلات اور تکالیف کے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اندر لاتعداد نشانات لئے ہوئے ہے۔ جب بعض صحابہؓ کفار مکہ کی بڑھتی ہوئی

شرارتوں اور دُکھوں کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں۔ جب کفارِ مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا اور آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو متواتر تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، سفر طائف میں جب آپ کو کفار نے تکالیف پہنچائیں تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، جب آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے لئے گئے تو اس میں بھی ہمیں نشانات نظر آتے ہیں، اسی طرح بدر کی جنگ میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، اُحد کی جنگ میں بھی جس میں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصانات اُٹھانے پڑے اور کئی اکابر صحابہؓ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ کے بہت سے نشانات ہیں، احزاب کی جنگ میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، صلح حدیبیہ اور غزوہ حنین میں بھی بہت سے نشانات ہیں پھر غزوۂ تبوک جو مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اس میں بھی بہت سے نشانات ہیں، سب سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اُمت کے لئے بہت ہی بڑا ابتلاء تھا مگر اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو بھی دُکھ آپ کو پہنچا، جو بھی تکالیف آپ کو پہنچی، جو بھی رنج آپ کو پہنچا، جو بھی مصیبت آپ پر آئی اور جس دقّت کا بھی آپ کو سامنا ہوا ان میں سے ہر ایک کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانات مخفی تھے اور ان میں سے ہر واقعہ اپنے اندر مؤمنوں کی ترقیوں اور کامیابیوں کے سامان لئے ہوئے تھا۔

اِس وقت میں غزوۂ اُحد کو لیتا ہوں غزوۂ اُحد مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اور ساتھ ہی یہ مصیبت پیش آئی کہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لیا کہ ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنی چاہئے یا باہر نکل کر؟ تو اُس وقت تو منافقین نے یہ کہا کہ ہمیں باہر جا کر ہی لڑنا چاہئے مگر بعد میں انہوں نے آپ سے غداری کی اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے کے لئے تیار ہوئے تو منافقین نے جانے سے انکار کر دیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ یہ بھی کوئی لڑائی ہے یہ تو خواہ مخواہ ہلاکت کے منہ میں جانے والی بات ہے۔ اس جنگ میں آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو بہت زیادہ تکالیف پہنچیں اور بہت

زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا۔ ستّر صحابہؓ شہید ہوگئے جن میں سے پانچ مہاجرین میں سے تھے اور باقی پینسٹھ انصار میں سے تھے اور شہید ہونے والے صحابہؓ تھے بھی چوٹی کے صحابہؓ جن کی موت کی وجہ سے یوں کہنا چاہئے کہ سارا مدینہ ہل گیا تھا پھر یہ جنگ اس لئے بھی اسلام کی شدید ترین جنگوں میں شمار کی جاتی ہے کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے آپ کے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے [۱] اور بعض صحابہؓ جو آپ کے دائیں بائیں کھڑے آپ کی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے اور دشمن کے واروں کو اپنے اوپر لے رہے تھے ان میں سے بھی بعض مارے گئے اور ان کی لاشیں آپ پر گر گئیں گویا یہ تمام سامان موت کے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ آپ جب زخمی ہوکر اور بے ہوش ہوکر گر پڑے تو یہ وقت صحابہؓ کے لئے ایک بہت ہی بڑے ابتلاء اور امتحان کا وقت تھا ان میں لڑنے کی سکت نہ رہی تھی اور جب تک آپ ہوش میں آ کر نہ اُٹھے اُس وقت تک صحابہؓ یہی سمجھتے رہے کہ اب ہمارے لئے دنیا تاریک ہو چکی ہے کیونکہ جب آپ شہید ہو چکے ہیں تو ہمارا لڑنا اب بالکل بے کار ہے۔ اِس چیز کا نتیجہ ان کے لئے ٹھوکر اور ابتلاء کا باعث ہوسکتا تھا لیکن اس کے اندر بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نشانات نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ابتلاؤں میں اعلیٰ نشانات ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً ابتلاؤں، دکھوں اور مصیبتوں کے وقت انسان کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے اگر انسان پر کوئی مصیبت نہ آئے تو اُس کے اخلاق کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جو اخلاق خوشی، راحت اور آرام کے وقت دِکھاتا ہے وہ مصیبت دکھ اور رنج پہنچنے پر سب بھول جاتا ہے۔ جب کبھی اس کی حالت سکون سے بے چینی میں تبدیل ہوتی ہے تو اس کے سب اخلاق دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ بداخلاقی پر اُتر آتا ہے۔ ہمارے ملک میں دہلی اور لکھنؤ کے امراء کے اخلاق مشہور ہیں اور ان دونوں جگہوں کے امراء ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دہلی والے کہتے ہیں کہ ہم زیادہ بااخلاق اور متمدن ہیں۔ لکھنؤ میں سادات کی بادشاہت تھی اس لئے عام طور پر وہاں کے امراء کو میر صاحب کہا جاتا ہے اور دہلی میں چونکہ مغل بادشاہت رہی ہے اس لئے وہاں کے امراء کو مرزا صاحب کہا جاتا ہے اب تو دہلی وہ نہیں رہی جو آج سے پچاس سال پیشتر تھی مگر آج سے

چالیس پچاس سال پہلے دہلی کا کوئی آدمی ملنے پر اُس کو مرزا صاحب کہا جاتا تھا اور لکھنؤ کے کسی شخص کے متعلق صرف یہ معلوم ہونے پر کہ یہ صاحب لکھنؤ کے رہنے والے ہیں انہیں میر صاحب کہا جاتا تھا۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ دو شخص کسی سٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں کھڑے تھے ان میں سے ایک دلی کا تھا اور دوسرا لکھنؤ کا۔ گاڑی کے آنے میں کچھ دیر تھی ان دونوں نے رسمی علیک سلیک کے بعد جب ایک دوسرے کے متعلق یہ معلوم کیا کہ آپ دہلی کے ہیں اور آپ لکھنؤ کے ہیں تو ان دونوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اخلاق دکھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں اور دونوں نے چاہا کہ ایک دوسرے پر اپنے اخلاق کا اثر ڈالیں چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے مخصوص طریق پر ایک دوسرے سے گفتگو شروع کر دی اور بات بات پر قبلہ میر صاحب اور قبلہ مرزا صاحب کہا جانے لگا۔ ایک کہتا قبلہ میر صاحب فلاں بات یوں ہوئی اور دوسرا جھک کر کہتا قبلہ مرزا صاحب فلاں بات یوں ہے۔ غرض دونوں نے اپنے اخلاق دکھانے کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہوگئی تو لکھنؤ والے نے کہا قبلہ مرزا صاحب پہلے آپ چڑھئے۔ دلّی والے نے کہا قبلہ میر صاحب! پہلے آپ۔ لکھنؤ والے نے پھر کہا قبلہ! بھلا میں یہ گستاخی کر سکتا ہوں پہلے آپ ہی کو چڑھنا ہوگا آپ مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ چنانچہ وہ کافی دیر تک اسی طرح کرتے رہے۔ لکھنؤ والا فرشی سلام کرتا اور کہتا قبلہ مرزا صاحب پہلے آپ ہی چڑھیں گے اور دلی والا نہایت آداب بجالا کر کہتا قبلہ میر صاحب پہلے آپ۔ وہ اسی طرح کر رہے تھے کہ گاڑی نے سیٹی دی یہ دیکھ کو وہ دونوں ایک ڈبے کی طرف لپکے اور ڈنڈے پکڑ کر بمشکل دروازے میں پہنچے اب صورت یہ تھی کہ دروازہ چھوٹا تھا اور وہ دونوں دروازے کے اندر پھنس گئے نہ وہ اندر جا سکتا تھا اور نہ یہ۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دینے شروع کئے اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ سخت کلامی پر اُتر آئے اور ایک کہتا خبیث! اندر جاؤ یا مجھے گذرنے دو۔ دوسرا کہتا مجھے اندر جانے دو اور پھر کمینے اور پاجی کے الفاظ شروع ہو گئے۔

پس جب انسان پر مصیبت آتی ہے اور تھوڑی بہت تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اخلاق فاضلہ کو یکسر بھول جاتا ہے۔ اب کہاں وہ حالت کہ قبلہ میر صاحب اور قبلہ مرزا صاحب کہ القاب جھک جھک کر ادا ہو رہے تھے اور کہاں یہ حالت کہ خبیث، کمینے اور پاجی کے الفاظ پر اُتر آئے۔ پس

جب سہولت اور آرام ہو تو لوگ اخلاق دکھاتے ہیں لیکن جب مقابلہ اور مشکلات پیش آئیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے لکھنؤ والوں کے اخلاق کے متعلق اپنا ایک لطیفہ یاد ہے میری شادی چھوٹی عمر میں ہی ہو گئی تھی اُس وقت میری عمر چودہ اور پندرہ سال کے درمیان تھی اور یہ عمر بچپن کی عمر میں ہی شمار ہوتی ہے۔ اس وقت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب آگرہ میں تھے ہم یو پی میں گئے تو کئی دفعہ تھے مگر وہاں کے مخصوص اخلاق سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا ہم اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں جا کر ٹھہرا کرتے تھے اور وہاں اپنے بزرگوں سے ڈانٹ ڈپٹ ہی سننے میں آتی تھی۔ قبلہ اور حضرت کبھی سنا نہ تھا۔ غرض جب شادی کے وقت میں آگرہ میں گیا تو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے میرے اعزاز میں وہاں کے رؤساء کو دعوت دی ان میں ایک شہر کے مجسٹریٹ صاحب بھی تھے جب کھانا کھا چکے اور وہ رؤساء واپس ہونے لگے تو وہ مجسٹریٹ صاحب میرے پاس آئے اور بڑی تعظیم کے ساتھ جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ میں نے اپنی یہاں کی عادت کے مطابق ان کی تعظیم کی مجھے تو جھکنا آتا نہ تھا مگر مَیں ان کے جھکنے پر دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں میں ان کی تعظیمی حرکات پر بڑی مشکل سے ہنسی کو ضبط کر سکا۔ اُس وقت جو مجھ سے ایک حرکت سرزد ہوئی اُس کو یاد کر کے اب بھی بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔ وہ یوں ہوا کہ مجھ سے ملنے کے بعد جونہی ان مجسٹریٹ صاحب نے منہ موڑا میں نے اُن کی نقل اُتارنی شروع کر دی اور اتفاق ایسا ہوا کہ دروازہ تک پہنچ کر اُن کو کوئی کام یاد آ گیا اور وہ واپس مُڑ آئے۔ میں ان کے واپس مُڑنے سے بے خبر رہا اور اسی طرح اُن کی نقل اُتارتا رہا۔ میں نے جو آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑے تھے یہ دیکھ کر مجھے سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی کہ یہ اپنے دل میں کیا سمجھتے ہوں گے۔ غرض ان کے تکلفات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ جس کی حد ہی نہیں مگر اخلاق فاضلہ کا پتہ درحقیقت مشکل اور مصیبت کے وقت لگتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اُحد کی جنگ ایک نہایت صبر آزما جنگ تھی اس سے پہلے کبھی آپ پر قاتلانہ حملہ نہ ہوا تھا اور نہ صرف یہ کہ جنگ احد میں آپ پر حملہ ہی ہوا اور نہ صرف یہ کہ آپ کے بعض دانت بھی ٹوٹ گئے اور نہ صرف یہ کہ آپ زخمی ہو گئے بلکہ دشمن آپ

کی بے ہوشی کی حالت میں آپ کے اوپر سے اور آپ کے ساتھیوں کے اوپر سے ان کے جسموں کو روندتا ہوا گزرا اور یہ آپ کی زندگی میں اپنی قسم کی پہلی مثال تھی مگر اس جنگ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح بلند حوصلگی اور اپنے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کیا اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور دل جوئی کی۔ اس جنگ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اخلاق کے کتنے بلند ترین مقام پر کھڑے تھے اور اس جنگ میں صحابہؓ کی عدیم المثال قربانیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ میں اُس وقت کی بات کر رہا ہوں جب آپ جنگ ختم ہونے پر مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ مدینہ کی عورتیں جو آپ کی شہادت کی خبر سن کر سخت بے قرار تھیں اب وہ آپ کی آمد کی خبر سُن کر آپ کے استقبال کے لئے مدینہ سے باہر کچھ فاصلہ پر پہنچ گئی تھیں ان میں آپ کی ایک سالی زینب بنت جحش [۲] بھی تھیں ان کے تین نہایت قریبی رشتہ دار جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا اپنے مُردے کا افسوس کرو (یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تمہارا اعزیز مارا گیا ہے) زینبؓ بنت جحش نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس مُردے کا افسوس کروں؟ آپ نے فرمایا تمہارا ماموں حمزہؓ شہید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت زینبؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر کہا اللہ تعالیٰ ان کے مدارج بلند کرے وہ کیسی اچھی موت مرے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا اپنے ایک اور مرنے والے کا افسوس کرلو۔ زینب نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس کا؟ آپ نے فرمایا تمہارا بھائی عبداللہ بن جحش بھی شہید ہو گیا ہے زینبؓ نے پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ وہ تو بڑی ہی اچھی موت مرے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا زینبؓ! اپنے ایک اور مُردے کا افسوس کرو۔ اُس نے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس کا؟ آپ نے فرمایا تیرا خاوند بھی شہید ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر زینبؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اُس نے کہا ہائے افسوس!! یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جب میں نے زینبؓ کو اُس کے ماموں کے شہید ہونے کی خبر دی تو اُس نے پڑھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، جب میں نے اُسے اس کے بھائی کے شہید ہونے

کی خبر دی تو اس نے پھر بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہی پڑھا لیکن جب میں نے اس کے خاوند کے شہید ہونے کی خبر دی تو اس نے ایک آہ بھر کر کہا ہائے افسوس! اور وہ اپنے آنسوؤں کو روک نہ سکی اور گھبرا گئی۔ پھر آپ نے فرمایا عورت کو ایسے وقت میں اپنے عزیز ترین رشتہ داروں اور خونی رشتہ دار بھول جاتے ہیں لیکن اُسے محبت کرنے والا خاوند یاد رہتا ہے اس کے بعد آپ نے زینبؓ سے پوچھا۔تم نے اپنے خاوند کی وفات کی خبر سن کر ہائے افسوس کیوں کہا تھا؟ زینبؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے اس کے بیٹے یاد آ گئے تھے کہ ان کی کون رکھوالی کرے گا؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کی تمہارے خاوند سے بہتر خبر گیری کرنے والا کوئی شخص پیدا کر دے۔[۳] چنانچہ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ زینبؓ کی شادی حضرت طلحہؓ کے ساتھ ہوئی اور ان کے ہاں محمد بن طلحہ پیدا ہوا۔مگر تاریخوں میں ذکر آتا ہے حضرت طلحہؓ اپنے بیٹے محمد کے ساتھ اتنی محبت اور شفقت نہیں کرتے تھے جتنی کہ زینبؓ کے پہلے بچوں کے ساتھ۔اور لوگ یہ کہتے تھے کہ کسی کے بچوں کو اتنی محبت سے پالنے والا طلحہؓ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اُس وقت سعد بن معاذ آپ کی سواری کی باگ پکڑے ہوئے آپ کے آگے آگے خوشی کے ساتھ چل رہے تھے اور ان کو خوشی یہ تھی کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ واپس مدینہ میں لا رہے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ کی بوڑھی اور کمزور نظر والدہ بھی مدینہ کی عورتوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے باہر آ رہی تھیں اور چونکہ اس سے پیشتر مدینہ میں آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو چکی تھی اس لئے وہ سُن کر کہ آپ صحیح سلامت تشریف لا رہے ہیں وفورِ محبت سے آپ کی زیارت کے لئے باہر آ گئی تھیں حضرت سعدؓ نے جب اپنی والدہ کو دیکھا تو شاید اس خیال سے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں کہ میری بوڑھی والدہ کے دل میں بھی آپ کے لئے کتنی محبت ہے کہ وہ باوجود نظر کی کمزوری اور ضعیفی کے لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی ہیں اور وہ آپ کی زیارت کیلئے بے تاب ہیں عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں۔آپ نے فرمایا سواری کو روک لو۔سواری جب بڑھیا کے قریب پہنچ کر رُکی تو آپ نے اُس بڑھیا کو فرمایا بی بی! مجھے

افسوس ہے کہ تمہارا جوان بیٹا عمرو بن معاذؓ لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ وہ بڑھیا جو آپ کی شکل دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی اُس نے اپنا منہ اوپر اٹھایا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے آپ کے چہرے کو دیکھا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جانے بھی دیجئے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جب آپ سلامت ہیں تو باقی ساری مصیبتیں میں نے بھون کر کھالی ہیں۔[۴۲]

ان واقعات پر غور کرو اور دیکھو کہ آپ کو کتنا زیادہ احساس تھا کہ جس کسی کو تکلیف پہنچتی ہے اس کے ساتھ ہمدردی کی جائے اس کے بعد آپ نے اس بڑھیا سے فرمایا تم بھی خوش ہو اور دوسری تمام بہنوں کو بھی جن کے رشتہ دار لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں یہ خوشخبری سنا دو کہ ہمارے جتنے آدمی آج شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو جنت میں اکٹھا رکھا ہے اور سب نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا! ہمارے پسماندگان کی خبر گیری رکھیو۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی کہ اے خدا! اُحد کے شہیدوں کے پسماندگان کے لئے اچھے خبر گیر پیدا فرما۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس طرح آپ نے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اُحد کے شہیدوں کے پسماندگان کی دلجوئی فرمائی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور باوجود اس کے کہ آپ زخمی ہو چکے تھے، آپ کے عزیز ترین رشتہ دار شہید ہو گئے تھے اور آپ کے عزیز ترین صحابہؓ فوت ہو گئے تھے آپ برابر قدم بقدم مدینہ کے لوگوں کی دلجوئی فرما رہے تھے آپ کو اپنی تکلیف کا ذرہ بھی احساس نہ تھا آپ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں ہوسکتا جو اتنی تکلیفوں، اتنے دکھوں اور اتنی مصیبت کے وقت دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرے۔ ایسے وقت میں تو لوگ کسی کے ساتھ بات کرنے کے بھی روادار نہیں ہوتے چہ جائیکہ وہ کسی کے ساتھ ہمدردی کی باتیں کریں۔ جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو چونکہ زخموں کی وجہ سے آپ کو نقاہت زیادہ تھی اس لئے صحابہؓ نے سہارا دے کر آپ کو سواری سے اُتارا۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا آپ نے نماز پڑھی اور گھر تشریف لے گئے۔ مدینہ کی ان عورتوں کو جن کے رشتہ دار جنگ میں شہید ہو گئے تھے اُن کی خبریں پہنچ چکی تھیں انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے جب عورتوں کے رونے کی آوازیں سنیں تو آپ کو مسلمانوں کی تکلیف کا خیال آیا اور آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں پھر آپ نے فرمایا لٰکِنْ حَمْزَةَ فَلَا بَوَاکِیَ لَهٗ ہمارے چچا اور رضائی بھائی حمزہ بھی شہید ہوئے

ہیں لیکن اُن کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ جن کو آپ کے جذبات اور احساسات کو پورا کرنے کی اتنی تڑپ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ آپ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جذبہ اور چھوٹے سے چھوٹا احساس بھی ایسا نہ رہ جائے جو پورا نہ ہو وہ اپنے گھروں کی طرف دَوڑے اور اپنی عورتوں سے جا کر کہا بس اب تم اپنے عزیزوں کو رونا بند کر دو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جا کر حمزہؓ کا ماتم کرو۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تھکے ہوئے تشریف لائے تھے آپ آرام فرمانے لگے۔ حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان دی مگر یہ خیال کر کے کہ آپ تھکے ہوئے آئے ہیں آپ کو نہ جگایا جب ثلث رات گذر گئی تو انہوں نے آپ کو نماز کے لئے جگایا۔ آپ جب بیدار ہوئے تو اُس وقت عورتیں ابھی تک آپ کے مکان پر حضرت حمزہؓ کا نوحہ کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ عرض کیا گیا یَـا رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ مدینہ کی عورتیں حضرت حمزہؓ کی وفات پر رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مدینہ کی عورتوں پر رحم کرے انہوں نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ پھر فرمایا مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ انصار کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ ساتھ ہی فرمایا اس طرح نوحہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَـا رَسُوْلَ اللّٰه ہماری قوم کی یہ عادت ہے اور اگر ہم اس طرح نہ روئیں تو ہمارے جذبات سرد نہیں ہو سکتے آپ نے فرمایا میں رونے سے منع نہیں کرتا ہاں عورتوں سے کہہ دیا جائے کہ وہ منہ پر تھپڑ نہ ماریں اپنے بال نہ نوچیں اور کپڑوں کو نہ پھاڑیں اور اگر یوں رقّت کے ساتھ رونا آئے تو بے شک روئیں۔[۵] ان باتوں سے آپ کی اخلاقی حالت کا پتہ چلتا ہے کہ باوجود زخمی اور تکلیف میں ہونے کے آپ کو دوسروں کے احساسات اور جذبات کا کتنا احترام تھا۔

پھر تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اُحد سے واپس آ کر حضرت فاطمہؓ کو اپنی تلوار دی اور کہا اِس کو دھو دو آج اِس تلوار نے بڑا کام کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی یہ بات سن رہے تھے آپ نے فرمایا علیؓ! تمہاری ہی تلوار نے کام نہیں کیا اور بھی بہت سے تمہارے بھائی ہیں جن کی تلواروں نے جوہر دکھائے ہیں۔ آپ نے چھ سات صحابہؓ کے نام لیتے ہوئے فرمایا ان کی تلواریں تمہاری تلوار سے کم تو نہ تھیں۔[۶] غرض آپ نے یہ بھی برداشت

نہ کیا کہ آپ کا داماد کوئی ایسی بات کرے جس سے دوسرے صحابہؓ کے دلوں کو ٹھیس پہنچے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پہنچتی تھی اور باوجودیکہ جنگِ اُحد کا واقعہ مستقل اثرات کے لحاظ سے اتنا بڑا واقعہ تھا کہ لوگوں کو اس واقعہ کے بعد سخت فکر تھی کہ دشمن اب دلیر ہو جائے گا یا آئندہ کیا ہوگا اور انسان ایسے اوقات میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا مگر آپ نے ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور سب کی دلجوئی کی۔ آپ نے جب زینب بنت جحش کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر فرمایا دیکھو ایک عورت کا اپنے محبت کرنے والے خاوند کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے تو اِس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کریں اور معمولی معمولی باتوں پر اُن کو مارنے اور کوٹنے نہ لگ جایا کریں۔ جب ان کی عورتیں اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو کر ان کے پاس رہتی ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اعزاز کیا جائے نہ کہ بات بات میں ان کے ساتھ جھگڑا فساد کیا جائے۔ آپ کے یہ فرمانے سے ایک طرف تو زینبؓ بنت جحش کی دلجوئی ہوگئی اور دوسری طرف آپ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تلقین فرما دی۔ اسی طرح جب آپ نے یہ دیکھا کہ مدینہ کی عورتیں اپنے مرنے والوں کا نوحہ اور ماتم کر رہی ہیں تو آپ نے اس خیال سے کہ مہاجرین اور حضرت حمزہؓ کے رشتہ دار یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا یہاں کوئی نہیں ہے اس لئے ان کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا آج حمزہؓ کو رونے والا کوئی نہیں۔ اور پھر جب مدینہ کی عورتیں حضرت حمزہؓ کا ماتم کرنے لگ گئیں تو آپ نے منع فرما دیا کہ اس طرح ماتم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعہ میں آپ کا یہی خیال ہوتا کہ حضرت حمزہؓ کا ضرور ماتم کیا جائے تو آپ بعد میں منع نہ فرماتے۔ آپ نے جب حضرت حمزہؓ کی وفات پر کسی کے نہ رونے پر افسوس کا اظہار فرمایا اُس وقت بھی آپ کا جذبہ صرف دلجوئی کا تھا۔ اور جب آپ نے رونے والوں کو منع فرمایا اُس وقت بھی آپ کا جذبہ دلجوئی کا ہی تھا کیونکہ آپ نے ان عورتوں کو رونے سے روکا بھی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور یہ پھر فرمایا مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ انصار کو مجھ سے زیادہ ہمدردی ہے اور یہ کہنے سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ وہ رونے سے منع کرنے پر بُرا نہ

منائیں۔ آپ نے منع بھی کر دیا اور ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا۔ ہمیں یہ کتنا شاندار اور عظیم الشان طریق نظر آتا ہے جو اتنے نازک وقت میں آپ نے اختیار کیا حالانکہ ایسے وقت میں جبکہ عزیز اور قریبی رشتہ دار مارے جا چکے ہوں خود کوئی شخص زخمی ہو اور مستقبل قریب کے ایام میں خطرہ محسوس ہو رہا ہو تو کوئی شخص اس قسم کا نمونہ پیش نہیں کر سکتا جو آپ نے کیا۔ پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد میں زخمی ہو گئے اور آپ بے ہوش ہو کر گر گئے یہاں تک کہ آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ آپ نے ہوش آنے پر اخلاق فاضلہ کا جو مظاہرہ کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے ان اخلاق فاضلہ کا ذکر جو آپ نے جنگ احد میں بے ہوشی کے بعد ہوش آنے پر دکھائے حضرت عمرؓ نے آپ کی وفات کے بعد ان الفاظ میں کیا تھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کفار نے آپ کے دانت شہید کر دیئے، انہوں نے آپ کے منہ کو زخمی کر دیا، آپ کے اوپر سے پیر رکھتے ہوئے گزر رے گئے اور آپ کو اور آپ کے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں اور آپ کے دوستوں کو انہوں نے انتہائی تکالیف پہنچائیں مگر یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ آپ نے ان کی ان ساری باتوں کے جواب میں صرف یہی فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ [۲] کہ اے خدا! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ مجھے پہچان نہیں سکی۔ گویا ان دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں جبکہ آپ بے ہوشی سے ہوش میں آ رہے تھے آپ کے منہ سے دشمنوں کے حق میں دعا نکل رہی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے خدا! ان کو میرے مقام کا پتہ نہیں ہے اور یہ مجھے شناخت نہیں کر سکے اس لئے تو ان کو بخش دے۔ اگر یہ مجھے پہچان لیتے تو کیوں اس طرح کرتے۔ یہ کیسے اعلیٰ اخلاق تھے جو آپ نے دکھائے اور کس طرح قدم قدم پر آپ نے وہ نمونہ پیش کیا جو بنی نوع انسان میں سے نہ کوئی پیش کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک ٹوٹ جانا یا آپ کو دوسری تکالیف کا پہنچنا ایک وقتی بات تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ قیامت تک یادگار رہے گا اور قیامت تک مسلمان اپنے پیارے اور محبوب کے اس فقرہ کے ساتھ آپ کو بُرا کہنے والے دشمن پر اتمامِ حجت کرتے رہیں گے اور کہیں گے کہ کچھ تو خیال کرو آخر تم کس کو بُرا کہہ رہے ہو؟ کیا تم اُس کو بُرا کہہ رہے ہو جس

کو مکہ میں متواتر تیرہ سال تک صرف یہ کہنے پر کہ ایک خدا کی پرستش کرو انتہائی دکھوں میں مبتلا رکھا گیا، جس کو اپنے پیارے وطن سے نکلنے پر مجبور کیا گیا، جس کو مارا اور پیٹا گیا، جس کے دانت توڑ دیئے گئے، جس کے عزیز ترین دوستوں کو شہید کر دیا گیا اور جس کے قریبی رشتہ داروں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا مگر اس کے دشمن کے ان مظالم کے باوجود کہا تو یہ کہا کہ **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** اب تم ہی کہو کہ کیا ایسے باکمال انسان کو بُرا کہنا انصاف اور شرافت پر مبنی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر جب کسی شخص کو دشمن کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سخت سے سخت گالیاں دیتا ہے۔ اس کے دل میں دشمن کے خلاف انتہائی غصہ اور جوش ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے خدا اس کا بیڑا غرق کرے۔ خدا اسے غارت کرے حالانکہ دوسرے کسی شخص کو اپنے دشمن کی طرف سے اتنی تکلیف پہنچنے کا امکان ہی نہیں جتنی کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو پہنچائی تھیں پھر بھی دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے دشمن کے خلاف انتقامی جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر آپ نے انتہائی دُکھوں کے وقت میں جو نمونہ اخلاقِ فاضلہ کا پیش کیا اس کی نظیر لانے سے دنیا تا قیامت قاصر رہے گی۔ یہ وہی دشمن تھے جو رات دن آپ کے قتل کے منصوبے کیا کرتے تھے، یہ وہی دشمن تھے جنہوں نے آپ کے رشتہ داروں اور آپ کے صحابہؓ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں، یہ وہی دشمن تھے جنہوں نے آپ کو اپنے عزیز وطن سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور کر دیا تھا اور یہ وہی دشمن تھے جو آپ کے ہجرت کر کے مدینے پہنچ جانے کے بعد بھی آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ مگر آپ فرماتے ہیں **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے اسلام لانے والوں کو دوپہر کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا تھا، آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے آپ پر ایمان لانے والوں کو آہنی سلاخیں آگ میں سرخ کر کر کے داغ دیا تھا، آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تین سال کے لمبے عرصہ تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا تھا اور آپ بھول جاتے ہیں ان تمام مظالم کو جو ان دشمنوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً آپ پر ہوتے رہے اور آپ نہایت

درد کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے خدا! یہ مجھے پہچان نہیں سکے ورنہ یہ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ جنگ اُحد کا ایک یہی واقعہ ایسا ہے جو سنگ دل سے سنگ دل دشمن کی چیخیں نکال دینے کیلئے کافی ہے اور بڑے سے بڑا دشمن اسلام اس واقعہ کو سن کر یہ پکار اُٹھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا با اخلاق انسان نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں اور مضامین کے علاوہ میں نے مختصراً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بھی لکھی ہے جس کا انگریزی اور گورمکھی کے علاوہ ہندی میں بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے وہ ترجمہ اصلاح کے لئے پٹنہ بھیجا گیا تو ایک ہندو پروفیسر جن کے ذریعہ وہ دیباچہ بھیجا گیا تھا ان کی چٹھی آئی کہ اسے پڑھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور چونکہ ہمیں اس سے قبل ان واقعات کا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کا علم نہ تھا اس لئے ہم اندھیرے میں رہے۔ اگر کتاب چھپنے میں دیر ہو تو یہ مسودہ پہلے مجھے بھجوا دیا جائے۔

پس یہ واقعہ تو گزر گیا اور اس کو گزرے سینکڑوں سال ہو گئے مگر اس کی یاد رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ یہ کتنا شاندار نشان ہے جو جنگ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے دکھایا۔ غرض

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

کتنی صحیح بات ہے۔ یہ اتنا بڑا نشان ہے کہ ہم اس کو پیش کر کے دشمن کو منوا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا اخلاق فاضلہ کے کتنے اعلیٰ معیار پر قائم تھا اور اس سے دشمنی کرنا اس سے نہیں بلکہ خدا سے دشمنی کرنا ہے۔

عشاء کی اذان کے بعد حضور کچھ دیر تک السید منیر الحصنی صاحب سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے اس کے بعد فرمایا:

منیر الحصنی صاحب یہ ذکر کر رہے تھے کہ احمدیت کی وجہ سے مخالفت کے باوجود ان کے خاندان والے اہم کاموں کیلئے انہی کو اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اور ان کے قبیلے کے لوگ ہر کام میں انہی کو آگے کرتے ہیں۔ سید منیر الحصنی صاحب تو تعلیم یافتہ آدمی ہیں ہماری جماعت

میں ایک میاں مغلا ہیں جو بالکل اَن پڑھ ہیں ان کے بچے آج کل مدرسہ احمدیہ میں پڑھتے ہیں اور وہ جھنگ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے کہیں سے احمدیت کا نام سن لیا اور چونکہ فطرت میں نیکی تھی وہ قادیان تحقیق کیلئے آئے اور بیعت کر کے واپس گھر چلے گئے۔ جب ان کے گھر والوں کو ان کی احمدیت کے متعلق علم ہوا تو ان کو خوب مارا پیٹا گیا اور بہت سی تکلیفیں دی گئیں۔ ان کے کھانے پینے کے برتن الگ کر دیئے گئے وہ علاقہ جس میں وہ رہتے ہیں چوروں کا ہے اور وہاں کے لوگوں میں چوری کا اتنا رواج ہے کہ وہ اس کو شرعاً یا اخلاقاً بُرا فعل نہیں کہتے۔ گوجرانوالہ، شیخوپورہ، جھنگ اور لائلپور وغیرہ کے علاقوں میں چوری کا اتنا رواج تھا کہ ایک ڈپٹی کمشنر نے ان اضلاع کے متعلق ایک رپورٹ تیار کی تھی جس میں اس نے لکھا تھا کہ ان لوگوں کے اندر چوری کی عادت اتنی زیادہ ہے کہ یہ ان کا ویسا ہی پیشہ ہو گیا ہے جیسے کہ زمینداری کا اور یہ لوگ اس کے بغیر گزارہ کر ہی نہیں سکتے اس لئے ان علاقوں میں چوری کو جرم قرار نہیں دینا چاہئے۔ یہ فن اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اس پیشہ میں بھی بڑے بڑے رؤساء اور سردار ہوتے ہیں جن کا لوہا چوری پیشہ لوگوں میں مانا جاتا ہے کسی کو شاہ چور کا خطاب دیا جاتا ہے اور کسی کو شہنشاہ چور کا۔ اور جو چھوٹے چور ہوتے ہیں وہ اپنی چوریوں میں سے ان رؤساء کا حصہ مقرر کرتے ہیں اور جب کوئی چوری کرتے ہیں تو ان کا حصہ ان کے گھروں میں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے فلاں کی بھینس چرائی تھی اس میں سے آپ کا اتنا حصہ ہے۔ ہماری جماعت کے ایک دوست بھی احمدیت سے پہلے شاہ چور تھے وہ بھی اپنے واقعات سنایا کرتے تھے کہ جب میں نے چوری چھوڑ دی تو بھی یہ حالت تھی کہ میرے گھر پر مجھے دوسرے چوروں سے حصہ ملتا رہا اور چور آ کر مجھے کہتے تھے آپ ہمارے سردار ہیں۔ وہ دوست ۱۹۱۸ء میں احمدی ہوئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اس پیشہ کو چھوڑ کر توبہ کر لی۔ غرض میاں مغلا نے سنایا کہ ان کے بھائیوں نے کسی کے ہاں چوری کی اور کچھ جانور چرا لائے۔ جانوروں کے مالک کھوج نکالتے ان کے گھر پہنچے اور ان کے باپ کو کہا کہ تمہارے بیٹوں نے ہمارے جانور چرائے ہیں۔ ان کے باپ نے انکار کر دیا تو انہوں نے کہا ہمیں تمہاری بات کا یقین نہیں آتا۔ ہاں اگر میاں مغلا کہہ دے کہ تیرے بیٹوں نے چوری نہیں کی تو ہم مان جائیں گے۔ چنانچہ میاں مغلا کا باپ ان

کے پاس آیا اور کہا اب تمہارے ہی ذریعہ اس جرم سے ہم بچ سکتے ہیں اس لئے تم ان سے جا کر کہہ دو کہ میرے بھائیوں نے تمہارے جانور نہیں چرائے۔ انہوں نے کہا میں تو جھوٹ نہیں بول سکتا، جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ چوری کر کے لائے ہیں تو اب میں کس طرح جھوٹ بول سکتا ہوں۔ اس پر باپ اور بھائیوں نے ان کو خوب مارا اور کہا خبردار اگر سچ بولا کیا تم اپنے بھائیوں کے ساتھ اتنی بھی ہمدردی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا تم ان سے جا کر کہہ دو کہ مغلا تو کافر ہے، اس کی گواہی تم کیوں مانتے ہو۔ چنانچہ مغلا کا باپ اور بھائی جانوروں کے مالکوں کے پاس گئے اور کہا مغلا تو کافر ہو گیا ہے اس کی گواہی سے تم کس طرح اطمینان حاصل کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا، ہے تو وہ کافر مگر وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا اس لئے ہم اسی کی گواہی لیں گے اور کسی کی گواہی پر ہمیں اعتبار نہیں ہے۔ باپ اور بھائی پھر ان کے پاس آئے اور کہا وہ تو تمہاری گواہی مانگتے ہیں اس لئے ہمارے ساتھ چلو اور صفائی پیش کرو یہ ان کے ساتھ چلے گئے اور بھری مجلس میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں کو جانور لاتے دیکھا ہے۔ اس پر ان کے باپ اور بھائیوں نے انہیں خوب مارا۔ پس لوگ احمدیت کی کتنی بھی مخالفت کریں جہاں کہیں کوئی خاص ذمہ داری کا کام ہوتا ہے انہی کو آگے کیا جاتا ہے۔

یہ بھی سلسلہ کی سچائی کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ مخالف بھی اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ لوگ سچ بولتے ہیں۔ اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(الفضل ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۱ ستمبر ۱۹۶۱ء)

---

۱ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۸۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲ اسد الغابة جلد ۵ صفحہ ۴۲۸ میں زینب کی بجائے حمنہ کا ذکر ہے۔

۳ تاریخ ابن تاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۴ السیرة الحلبیة جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۵ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۶ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۷ بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۷ حدیث ۳۴۷۷